ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اقبال کی اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات ایک جائزہ

"QURANIC ALLUDES IN IQBAL'S POETRY"

1. Dr.Sabina Awais

Abstract

Iqbal inherited teachings of Islam and love with Quran from his family. His family had great love for religion and nation. Iqbal had shown great love and attachment with Islam and especially with Holy Prophet (S.A.W). Quran has given Iqbal great topics for his philosophical ideas which he interpreted through his poetry. Iqbal strongly believed that Quran is the only factor which creates movement in human nature and enable him to explore new vistas of life. Quran is the only book which bestows right and clear path to human race and provides codes for life. Iqbal spent his life in different environments and faced a lot of difficulties. That change and shift brought many changes in his overall character and changed his view about life. Iqbal used qur'anic versions in his poetry and interpreted qur'anic teachings in a very beautiful way. He tried to implant qur'anic teachings in human nature. This article will encompass Iqbal's work in the light of the Holy Quran..

Keywords: Religion, classical, ideas, human natre, qurani verses, philosophical ideas, environment

کلیدی الفاظ: علمی تصورات، فنی بصیرت، مشادات، تجربات، فکری تربیت، شریعت و طریقت، حرکت و عمل

صنعتِ تلمیح علمِ بدیع کی ایک شاخ ہے اس سے مُراد کلام میں کسی فرضی یا تاریخی واقعہ، کسی آیتِ قرآنی کی جانب اشارہ کرنا ہے۔ مگر کلام میں موجود تلمیح کی سمجھ اُس وقت آتی ہے جب علمی تصوُّرات کے مجموعے سے آگاہی ہو۔ علّامہ محمد اقبال بیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر اور شاعر ہیں۔ اقبال اپنی غیر معمولی فنی بصیرت اور مختلف مفکرین کے گہرے مطالعے کی بدولت کامیابی حاصل کی۔ اس وُسعتِ مُطالعہ کی بدولت ترقّی کی منازل کو طے کرتے گئے۔ کلامِ اقبال اس بات کا مظہر ہے کہ اُن کا ذوقِ مطالعہ صاحبِ نظر افراد ہیں۔ مُطالعہ کے دوران اقبال کے ذہن میں مختلف سوالات نے جنم لیا۔ کُچھ مقامات پر تائید یا تردید کی صُورت بھی پیدا ہوئی۔ اقبال کی بہُت سے مفکرین سے براہِ راست واقفیت تھی۔ اگرچہ اقبال کے پیشِ نظر مشرق و مغرب کے افکار تھے لیکن استفادہ کی نوعیت ہمیشہ قرآن و سُنّت کے مُطابِق رہی اور اہلِ علم افراد سے تبادلۂ خیال کی بدولت اُن کے مشاہدات و تجربات کو وُسعتِ نظر اور گہرائی عطا ہوئی اور اقبال حکیم الامت کے درجے پر فائز ہوئے۔

شیخ نور محمد اقبال سے کہتے:

"کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم پر ہی اُترا ہے یعنی اللہ خود تم سے ہم کلام ہے"۔[1]

قرآن پاک سے محبّت و موانست اقبال کو ورثے میں ملی تھی۔ شیخ نور محمد نے اقبال کے دِل میں موجود جذباتِ عشق کو مہمیز لگائی اور یہ سوز تا دمِ مرگ اُن کو توانائی عطا کرتا رہا۔ اپنے والد کی نصیحت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اقبال قرآن پاک کا مطالعہ کرتے جیسے وہ اُن پر نازل ہُوا ہے۔

اقبال ہمیشہ اپنے والد صاحب کے اِس فرمان کے زیر اثر قرآن پاک کی تلاوت کرتے کہ جب قرآن کی تلاوت کرو تو اس طرح کرو کہ گویا قرآن آپ پر اُترا ہے۔ چُوں کہ اقبال پس ماندہ معاشرے کو ترقی کی جانب راغب کرنے کے لیے حرکت و عمل، تلاش و جستجو سے بھرپور ہیں۔ اقبال اس امر کے قائل ہیں کہ مسلمانوں کو ناخواندہ قاری کی سطح سے بلند ہو کر قرآن مجید کے معانی و مفہوم سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔

---

1. *Assistant Professor Govt. College Women university sialkot*

اقبال کی شاعری میں قرآن پاک کا ذکر غیر معمولی طور پر آیا ہے۔ اقبال کی شاعری اور فلسفیانہ مضامین کو تقویت دینے والی پاک کتاب ہے بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ فکرِ اقبال کا رہنما قرآن ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اقبال قرآن پاک کو دین کی ایک مکمّل کِتاب سمجھتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک اُصول اور اساسِ اسلام کو جاننے کے لیے قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کی حکمت ابدی ہے جو نوعِ انسان کے لیے آخری پیغام ہے۔

"قرآن بھی ماہیتِ حیات اور نفسِ انسانی کی طرح اپنے اندر لامتناہی زندگی رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے مزید ارتقا میں کوئی دور ایسا نہیں ہو سکتا جس میں قرآنی حقائق کا نیا انکشاف ترقیِ حیات میں انسان کی رہبری نہ کر سکے۔ زندگی کی نو بہ نو صُورتیں پیدا ہوتی جائیں گی لیکن قرآن کے اساسی حقائق کبھی دفترِ پارینہ نہ بنیں گے"۔[2]

قرآن پاک رہبر عظیم ہے بدلتے حالات میں بھی اس کی ابدی تعلیمات سرچشمۂ ہدایت ہیں۔ اقبال کے نزدیک قرآن پاک زندگی کو تحرک اور ہیجان دینے والی کِتاب ہے۔ قرآن فہمی کے آداب کے سلسلے میں جو بات اقبال کے والد نے کہی۔ یہ بات اُن کے بیانات، مکتوبات میں بھی مذکورہ ہے اسے انھوں نے خطبات میں بھی لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

"..... جب تک مومن کے دل پر بھی کِتاب "قرآن مجید" کا نزول نہ ہو جائے جیسے آنحضرت ﷺ پر ہوا تھا اس کا سمجھنا محال ہے"۔[3]

قرآن پاک اقبال کے لیے دُنیا کی کتابوں میں سے ایک کِتاب نہیں بل کہ "الکتاب" ہے۔ اقبال کی شاعری میں جو اذعانات کارفرما ہیں ان کی تخلیقات کا سرچشمہ قرآنی فکر ہے۔ ان کے فن پر بھی نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے قرآن کی گہری چھاپ ہے۔ فکرِ اقبال کلامِ الٰہی میں اوجِ کمال تک پہنچتی ہے۔ وہ مشاہدۂ کائنات کو قرآنی تعلیمات اور ارشاداتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں اسلامی قدروں کے متعلق نمایاں نشاندہی ملتی ہے۔

اقبال زندگی میں مختلف حالات و واقعاتِ قرآن پاک سے گزرے اور اُن کی مناسبت سے ان کے خیالات میں تغیّر و تبدّل بھی رونما ہوا لیکن قرآن پاک کے حوالے سے ان کے خیالات میں تبدیلی نہ آئی۔ اس کِتابِ حکمت سے اُن کا شغف بڑھتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے مختلف مدارج میں وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ مثلاً:

"واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے، ہاں اس کے مُطالعے سے اپنا اطمینانِ خاطر روز بروز ترقّی کرتا جاتا ہے"۔[4]

ایک جگہ فرماتے ہیں:

قرآن پاک سے اس قلبی لگاؤ کے پیشِ نظر کلام اقبال میں قرآنی مطالب کی پیشکش عمدہ انداز سے کی ہے۔ اقبال کے نظامِ فکر میں اُستوار ہونے والی قدریں بنیادی طور پر اسلامی افکار سے مستعار ہیں۔ خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہیں۔

"اقبال قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن ہے"۔[5]

اقبال شعوری طور پر کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے کلام میں قرآن پاک سے ہٹ کر کوئی بات نہ آئے کیوں کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اوائل عمری سے ہی ان کا شیوہ تھا، علاوہ ازیں "آدابِ سحر خیزی" سے بھی واقف تھے۔ لہٰذا قرآن کا ایک ایک حرف اُن کے دل میں اُترتا چلا گیا۔ مثنوی مولانا روم کے مُطالعے سے اقبال کے دل میں ان افکار نے تقویت حاصل کی کہ مسلمانوں کے لیے قرآن ہی برگ و ساز ہے اور دُنیا و آخرت کے تمام ترفیوض و برکات اسی کے وسیلے سے ملتے ہیں۔ قومی انحطاط کے باعث اقبال اسی نورِ ہدایت سے فیض حاصل کرنے اور قلب و نظر کو

جِلا بخشنے کے قائل تھے۔

فکرِ اقبال کے بنیادی ماخذ دو ہی ہیں ایک قرآن پاک اور دوسرا رسول ﷺ۔ قرآن پاک وہ کتاب ہے جو تصوّر اور عقیدے سے زیادہ عمل پر زور دیتا ہے۔ اقبال قرآن کو ایک ایسا دستور سمجھتے تھے جو ساری دنیا کے لیے دستورالعمل ہے۔ اقبال کی شاعری اور نثر قرآن کے زیرِ اثر ہے۔ اقبال باآوازِ بلند قرآن پاک کی تلاوت کرتے اکثر تلاوت کے دوران رِقّت طاری ہو جاتی اور وہ زار و قطار روتے۔

ایک موقع پر اقبال فرماتے ہیں کہ:

”میرے پاس کچھ نہیں لیکن قرآن ہے مَیں اسی کو پیش کروں گا“۔[6]

اگر ہم جدید علوم اور شاعرانہ پیرائے کے حوالے سے کلامِ اقبال کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ کلامِ اقبال سراسر قرآن پاک کی تشریح ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”وہ (اقبال) جو کُچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا اور جو کُچھ دیکھتا تھا۔ قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا، حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شیئے واحد تھے“۔[7]

تلمیح اسمِ مؤنث ہے اور علمِ بیان کی اصطلاح میں کسی آیت، حدیث کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

اصطلاحاً کہا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے مفاہیم کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا جس میں متعلقہ مفہوم کا اشارہ مِلے تلمیح ہے۔ کیوں کہ طویل قصّے اور کہانیوں کو بیان کرنے سے جہاں وقت ضائع ہوتا ہے وہیں شعری آہنگ و ترنّم میں بھی کمی واقع ہو سکتی ہے مگر تلمیح میں استعمال کیے گئے اشاراتی مختصر الفاظ سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اقبال کے کلام میں موجود تلمیحات کا تعلق ہے، مختلف مضامین کی حامل تلمیحات ان کے کلام میں موجود ہیں۔ مثلاً داستانوی تلمیحات، خاص تاریخی تلمیحات، عربی و اسلامی تلمیحات وغیرہ۔ پیشِ نظر مقالے میں اقبال کے اردو کلام میں موجود اسلامی و قرآنی تلمیحات کو بنیاد بنایا جا رہا ہے جو کلامِ اقبال کی مقصدیت کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ تلمیحات اقبال کے فلسفیانہ اور شاعرانہ مقاصد سے گہرا ربط رکھتی ہیں یعنی ان سے اقبال عزم و استقلال، اطاعت، ایثار، قربانی، شہادت، انقلاب، جفاکشی کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہی اقبال کی شاعری اور فلسفے کا اصل مقصد ہے۔

اقبال کے اردو کلام میں قرآنی آیات کے استعمال کا جائزہ دو طرح سے لیا جا سکتا ہے، ایک لفظی اثر اور دوسرا معنوی اثر۔ لفظی اثر سے مراد کسی شاعر کا کسی بھی صنفِ شاعری میں قرآنی آیات کے اقتباس سے استفادہ کرنا ہے، خواہ وہ ایک لفظ کی صورت میں ہو یا مکمل آیت کی شکل میں۔ اس ذیل میں تلمیح لفظی، تضمین وغیرہ آتے ہیں جب کہ معنوی اثر سے مراد قرآنی آیات کے مفہوم اور مضمون کو اشعار میں الفاظ اور ظاہر آیات کی جانب اشارہ کیے بغیر ذکر کرنا ہے۔ اقبال کے کلام میں دونوں طرح سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کلامِ اقبال میں بعض جگہ اقبال نے پوری آیت کی منظوم ترجمانی کی ہے۔ اقبال نے بعض مقامات پر قرآنی آیات کی ترجمانی اس طرح بھی کی ہے کہ وہ قرآن کی بہت سی آیات کو جو قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر ملتی ہیں انھیں کسی مخصوص نظم کا موضوع بنا دیا ہے اور یہ طریقہ اُن کے ہر مجموعہ کی نظموں میں موجود ہے۔ بالخصوص ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپسی کے بعد تک کی نظموں میں قرآنی آیات کی بھرپور ترجمانی کلامِ اقبال میں ملتی ہے۔ اقبال نے نہایت ذہانت اور عملی شان سے تلمیحاتِ قرآنی کو بیان کیا ہے کہ قاری متاثّر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ٥

”پس سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب سارے جہانوں کا رب ہے“۔[8]

اقبال مذہب کے متعلق وسیع الظرف نظریہ رکھتے ہیں۔ علاقائی، نسلی، لسانی، گروہی تمام تعصبات سے ماورا ہو کر صرف دینِ حق سے

وابستہ ہو کر زندگی گزارنا ان کا شیوہ رہا۔ ان کے نزدیک مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کو آزادی عطا کرتی ہے جو وقار بخشتی ہے۔ اقبال کے فلسفۂ اقدار میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان تمام مذہبی قدروں سے بالاتر ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ [9]

ملائکہ پر ایمان رکھنا، ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ قرآن پاک میں فرشتوں، ملائکہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یہ نوری مخلوق خدا کے حکم سے مختلف اُمور پر مامور اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ فرشتے اگرچہ عبادت و سجود کی بنا پر مقدس ہیں لیکن اقبال نے اس عقیدے میں ایک نئے پہلو کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے کہ فرشتے اگرچہ مقرب ہیں لیکن انھیں آزادیِ رائے میسّر نہیں یہ تو انسانوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر مسحور ہوتے ہیں۔ اقبال کی شاعری میں زیادہ ذکر جبرائیل فرشتے کا ملتا ہے۔ ان کے نام پر ہی اقبال نے اپنے اردو شعری مجموعے کا نام "بالِ جبریل" رکھا اور ارمغانِ حجاز میں اقبال نے جبریل کو آئینۂ محمد ﷺ کا جوہر کہا ہے لیکن امین کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود جبریل مقامِ کبریا تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی وہ حُبِّ الٰہی کی تجلیوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انسان کا مرتبہ ان فرشتوں سے بلند تر ہے۔ اقبال نے حضرت جبرائیل کے حوالے سے "روح الامین"، "روح القدس" اور "دمِ جبریل" کی تلمیحات کو نئے انداز سے پیش کیا۔ حضرت آدم نے پریشان ہو کر توبہ کی اور اللہ پاک نے توبہ قبول فرمائی۔ اقبال نے انسان کے فرشتوں پر مقدم ہونے کو تسلیم کِیا ہے۔

اقبال کی شاعری میں حضرت ابراہیم اور اُن کی اُمّتِ مسلمہ کی تسمیہ کا ذکر بارہا آیا ہے، خاص طور پر ان کی بُت شکنی ہر قسم کے قدیم و جدید بتوں کو توڑنے کا مظہر رہی ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا ابراہیم ہو جو وطنیت، استعماریت اور اشتراکیت کے ان بُتوں کو پاش پاش کرے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تلمیحات کو ایقان اور اثباتِ خودی کی علامت کے طور پر پیش کِیا ہے۔ حضرت ابراہیم خدائے بزرگ و برتر کی جستجو میں مصروف تھے، وہ سورج چاند ستاروں کو خدا نہیں سمجھتے تھے۔ ان واقعات کو سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۶، ۷۷، ۷۸ میں تفصیل سے بیان کِیا گیا۔ حضرت ابراہیم بُت شکن کے طور پر مشہور ہوئے اور نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال دیا، وہ آگ حکم الٰہی سے گلزار بن گئی۔ کلامِ اقبال میں حضرت ابراہیم اور نمرود کو خیر و شر اور حق و باطل کی کشمکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان تلمیحات کے توسّط سے اقبال کی شاعری میں یہ احساس بھی اُبھرتا ہے کہ عصرِ حاضر میں آزر تو موجود ہیں مگر ابراہیم جیسے بُت شکن موجود نہیں۔ کہتے ہیں:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی ، باقی بُتانِ آزری [10]

اقبال کے نزدیک حضرت ابراہیم کا کلمۂ حق کہتے ہوئے خوشی خوشی آتشِ نمرود کو لبیک کہنا بھی حق گوئی اور بے باکی کا استعارہ ہے۔ آپ بابلی بادشاہ نمرود کی آگ میں ڈالے گئے مگر وہ آگ آپ کے حق میں ٹھنڈی اور بے گزند ہو گئی۔ اقبال کے نزدیک یہ تلمیح یقین و استقامت، حرارتِ عشق کی علامت کے طور پر پیش ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں:

آگ ہے ، اولادِ ابراہیم ہے ، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے [11]

بنی اسرائیل کے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ کو بڑی ستائش سے دیکھا ہے اور اگر بلحاظِ تعداد دیکھا جائے تو قرآن پاک میں سب سے زیادہ تلمیحات حضرت موسیٰ کی موجود ہیں۔ اقبال حضرت موسیٰ کی زندگی کے روشن واقعات سے اپنی شاعری کو شوکت عطا کرتے ہیں۔ ان واقعات میں حضرت موسیٰ کی حضرت شعیب کے لیے گلہ بانی کرنا۔ تربیت پانا، ظہورِ تجلی، دیدارِ الٰہی کی تمنّا، تاب نہ لا سکنا، معجزاتِ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

الٰہی سے فرعون، سامری اور قارون جیسی قوتوں کو شکست دینا شامل ہے۔ اقبال نے سورۃ القصص کی آیت نمبر ۳۱ کے واقعے کی مناسبت سے شعلۂ طور، نخلِ طور، کلیم اللہ اور "لاتخف" کی تلمیحات کو خوش اسلوبی سے برت کر ان کا رشتہ خودی و عشق، حرکت و عمل اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے جوڑ کر نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔ نبوت ملنے کے بعد جب موسیٰ وحی کے اشارے سے کوہِ طور پر گئے اور خدا سے جلوہ دیکھنے کی مناجات کیں۔ جواب ملا کہ تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۴۳:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ

"کہا اے میرے پروردگار مجھے جلوہ دِکھا کہ مَیں تیرا دیدار کروں! فرمایا کہ تو مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتا"۔[12]

اس حوالے سے اقبال نے "ارنی"، "لن ترانی" اور "ارنی گو" کی تلمیحات کو اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے اور انھیں اپنی آرزوؤں کا حصہ بنا کر ان سے بصیرت کے نئے در بھی وا کیے ہیں۔ اقبال نے "ارنی" کی تلمیح دیدارِ الٰہی کے معنوں میں کی ہے۔ یہ تلمیح علامہ اقبال کے مجموعۂ کلام بانگِ درا کی نظم "دل" میں درج ذیل شعر میں درج ہے۔

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سُنا چاہتا ہوں[13]

کلامِ اقبال میں تلمیحاتِ خضر نئی اور منفرد جہتوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ قرآن پاک میں سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ سے متعلق حقیقت و معرفت پر مبنی واقعے میں آپ کا حوالہ ملتا ہے لیکن آپ کے نام کا ذکر نہیں۔ اقبال نے حضرت خضر کے حلیے، علمیت، بصیرت اور ژرف نگاہی کا ذکر پُر تاثیر انداز میں کیا ہے۔ اقبال نے اپنی نظم "خضرِ راہ" میں خضر کی علمیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے خضر نے ایک مسکین کی کشتی میں سُوراخ کیا، معصوم بچے کو مار ڈالا، ایک گاؤں والوں کی بد سلوکی کے باوجود دو یتیم لڑکوں کی شکستہ دیوار کی تعمیر کی۔ حضرت موسیٰ نے ہر فعل کی ممانعت کی جس پر وہ بولے کہ کشتی میں سُوراخ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کشتی غریب کی تھی ورنہ آگے ظالم بادشاہ اُس سے یہ بے عیب کشتی چھین لیتا۔ لڑکے کو قتل اس لیے کیا کہ وہ صالح والدین کی اولاد تھا وہ سر کش اور کافر نکلتا، دیوار اس لیے مرمت کی کہ اس کے نیچے یتیم بچوں کا خزانہ مدفون تھا۔ سورۃ الکہف کی آیت ۷۸ تا ۸۲ تک ان واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

کشتیِ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش[14]

سورۃ یوسف قرآن پاک کی ہے جس میں حضرت یوسف کے حُسن کا تذکرہ، کنویں میں قید کرنے، بازارِ مصر میں نہایت ارزاں فروخت ہونے اور زلیخا کے قصے کو بیان کیا گیا ہے۔ اقبال "یوسفِ گم گشتہ" کو درخشاں اسلاف کی علامت ٹھہراتے ہوئے خونِ زلیخا (دورِ حاضر کے نوجوان) کو حرارت پر آمادہ کرتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

کنویں میں تُو نے یوسف کو جا دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مطلق تھا مقید کر دیا تُو نے[15]

حضرت نوح بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر تھے جن کی قوم نے ان کی دعوتِ حق کو جھٹلایا اور بہت قلیل تعداد میں حق پرست ان کے گرویدہ ہوئے۔ چناں چہ آپ نے اس نافرمان قوم کے لیے بد دعا کی سورۃ نوح کی آیت نمبر ۲۶ میں ہے:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ٥

اور نوح نے کہا، اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ۔[16]

آپ کی دعا قبول ہوئی۔ آپ کی قوم کو پانی کے شدید طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت نوح نے ایک کشتی تیار کر لی اور خُدا کے حکم سے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اپنے پیروکاروں کے ہمراہ اس پر سوار ہوئے اور آپ نے نجات پائی۔ اقبال نے کشتیِ نوح اور دُعائے نوح (لاتذر) کو خوبی سے استعمال کیا ہے۔

اگرچہ حیاتِ رسول ﷺ کے کئی واقعات کلامِ اقبال میں تحسینی انداز میں موجود ہیں مگر خالصتاً قرآنی تلمیحی زاویے سے انھوں نے واقعۂ معراج کی پیشکش کو اولیت دی اور اسے انسانی قویٰ کی بیداری، جرأت وہمت اور استقامت کے استعارے کے طور پر پیش کیا۔ ۲۷ رجب کی مبارک رات کو اللہ پاک نے حضرت محمد ﷺ کو اپنی نشانیاں دِکھانے کے لیے رات کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی سیر کروائی۔ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱ میں درج ہے اور اس موقع پر آپ ﷺ نے تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ ان واقعات کو بنی اسرائیل اور سورۃ النجم کی آیات ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں بیان کیا گیا ہے۔ اقبال ان تلمیحات کا رشتہ عصرِ حاضر کے ساتھ جوڑ کر اصلاحِ احوال کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

سبق مِلا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردُوں [17]

تلمیحاتِ محمد ﷺ کے ضمن میں بشیر اور نذیر کی تلمیحیں بھی کلامِ اقبال میں موجود ہیں۔ آیتِ ربانی ہے۔ سورۃ سبا کی آیت نمبر ۲۸ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَ نَذِیْراً وَلٰکِنَّ اَکْثَرَالنَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَo

"اے محمد ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں"۔[18]

اقبال فرماتے ہیں:

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری [19]

حرم قرآنی اصطلاح ہے۔ حرم اس احاطہ کو کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے اردگرد ہے۔ اس کی جمع احرام ہے۔ قرآن پاک میں حرم سے مراد مکہ شہر ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۴۹، ۱۵۰ میں خدا تعالیٰ نے نماز ادا کرتے وقت اپنا رُخ مسجدِ حرام کی جانب کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۴۴ میں اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ / سورۃ النمل آیت نمبر ۹۱ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo

"مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے عزت دی ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں"۔[20]

کلامِ اقبال میں حرم کی اصطلاح مندرجہ بالا قرآنی آیات کے پیشِ نظر متبرک شہر مکہ میں واقع مسجدِ حرام اور کعبہ کے معنوں میں آئی ہے جنھیں دینِ اسلام میں مرکزیت حاصل ہے اور اس سے وہ ایمان کی پختگی مُراد لیتے ہیں۔ اقبال نے مرکزیت قائم رکھتے ہوئے الگ الگ معنوں میں اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ بانگِ درا کی نظم طلبہ علی گڑھ کالج کے نام ایک شعر میں کہتے ہیں:

جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا
اس کا مقام اور ہے، اس کا نظام اور ہے [21]

بانگِ درا کی نظم جوابِ شکوہ کے چونتیسویں بند میں اقبال نے "وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ" کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ یہ تلمیح "اَلَمْ نَشْرَحْ" کی آیت نمبر ۰۴ میں اس طرح درج ہے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ o

"اے نبی ﷺ! ہم نے تمھارے لیے تمھارے ذِکر کو افضل کیا"۔[22]

بانگِ درا کی نظم جوابِ شکوہ کا آخری شعر ملاحظہ ہو:

چشمِ اقوام یہ نظّارہ ابد تک دیکھے
رِفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ[23]

"والنور" کی اصطلاح سورۃ نور کے نام سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کا نام اسی سورۃ کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) سے ماخوذ ہے۔ بانگِ درا کی نظم "پیامِ صبح" کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

طلسم ظلمتِ شب سورۃ والنور سے توڑ
اندھیرے میں اُڑایا تاج شمع شبستان کا[24]

سورۃ رحمٰن قرآن پاک کی ۵۵ویں سورۃ کا نام ہے۔ یہ سورۃ آیات کے ربط کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے یہ اس وجہ سے حدیث میں فرمانِ خاتم النبیین ﷺ ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور سورۃ رحمٰن قرآن کی زینت ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صنعتِ سورہ رحمٰن[25]

اقبال کا تصوّرِ آخرت اسلامی اعتقادات سے ہم آہنگ ہے موت اور حیات بعد کو وہ ایک سادہ عالمگیر حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن کے نظریات کی دُرست وضاحت اُن کی نظم "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" ہو سکتی ہے۔ حیات بعد موت پر اقبال کے دلائل قرآن ہی کی دلیل سے ماخوذ ہیں۔ اقبال کے نزدیک مرنے والوں کے غم سے اگرچہ انسان کا دل آباد رہتا ہے اور مرنے والوں کا زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے بھی مندمل نہیں ہوتا، تاہم انسان کا وجدان اسے بتاتا ہے کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔

جوہرِ انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں[26]

اقبال کے فکر و فلسفے کا دوسرا اہم ترین ماخذ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیّبہ ہے۔ آنحضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے والہانہ عشق کا اظہار کلامِ اقبال کا نمایاں ترین پہلو ہے۔ قرآن کریم اور نبی کریم کی ذات نے اقبال کی ذہنی الجھنوں کی گرہیں کھولیں اور اقبال کے فکر و نظر کو وسعت دی۔ انھی بنیادی عوامل کی وجہ سے اقبال اپنی شاعری کو قرآن کی تشریح قرار دیتے ہیں۔ گھر کے مذہبی اور پاکیزہ ماحول کی بدولت اقبال ایک بلند پایہ شاعر، مفکر اور فلسفی بن کر اُبھرے۔ اقبال کے افکار قرآن پاک سے ماخوذ ہیں۔ اقبال نے دوسرے مفکرین کا مطالعہ قرآن اور سُنّت کی روشنی میں کیا اور اس حوالے سے اُن کے فلسفے، افکار اور خیالات کو پڑھا۔

قرآن پاک میں اکثر جگہ اتباعِ رسول کی ہدایت آئی ہے اور اسی تفسیرِ آیات کو مستند قرار دیتا ہے جو نبی پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئی ہوں۔ سب سے بڑھ کر کہ خود خالقِ کائنات اور صاحبِ قرآن ہمیں بار بار اتباعِ رسول ﷺ کی تلقین کرتے ہیں جس میں گمراہی یا لغزش کی گنجائش نہیں سورۃ نباء کی آیت ۲۸ میں ہے:

لَقَدْ کَانَ لَهُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَة حَسَنَة لِمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرَ وَ ذِکْرَ الله

كَثِيْرًا٥

"جو شخص رضائے الٰہی کی آرزو اور روزِ قیامت (نجات) کی توقع رکھتا ہو اور کثرت سے ذِکرِ حق بھی کرتا رہتا ہو، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک موزوں ترین اور بہترین عملی نمونہ ہے"۔[27]

قرآن پاک میں ہے:

مَّنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْـهِـمْ حَفِيْظًا٥

"جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ تو پھر ہم نے تجھے ﷺ ان پر محافظ و نگہبان بنا کر نہیں بھیجا"۔[28]

اقبال کے فکر و فلسفے کا دوسرا اہم ترین ماخذ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیّبہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے والہانہ عشق کا اظہار کلامِ اقبال کا نمایاں پہلو ہے:

کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں [29]

در حقیقت کلامِ اقبال قرآن کریم کی تشریحی صورت ہے اور اقبال نے جو بات بھی کہی ہے وہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی حوالے سے قرآنی تعلیمات سے میل کھاتی ہے۔ اقبال جن سے فردائے روشن کی اُمّید وابستہ کیے بیٹھے ہیں جنھیں وہ اپنا امام، پیشوا سمجھتے ہیں اُن سے بہُت پُر اُمّید ہیں کہ کسی ناکامی، مایوسی حتیٰ کہ معمولی خدشے کی بھی گنجائش نہیں۔ یہ ذاتِ گرامی سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسرارِ خودی سے لے کر ارمغانِ حجاز تک اقبال کی تمام شعری تصانیف میں ذکرِ محمدی ﷺ موجود ہے۔ اقبال کو نبی پاک ﷺ سے بے پناہ محبّت تھی، زبان پر آپ ﷺ کا ذکر آتے ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ قرآن پاک نے پیغمبر ﷺ کو "عبدہ" کہا ہے اور واقعہ معراج میں چوں کہ آنحضرت ﷺ نے حقائق و معارف کو بے نقاب دیکھا لہٰذا عبدہ بے پناہ روحانی مقام پر تھا جو انھیں نصیب ہوا۔ اقبال فرماتے ہیں:

سبق مِلا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں [30]

علامہ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے نہ صرف تصوف کی اسلامی روایات کو آگے بڑھایا بلکہ اپنے کلام کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی کہ تصوف یا صوفی ازم جوگیوں یا ہندومت کی پیداوار نہیں بلکہ دینی تعلیمات ہی اس کی بنیاد ہیں۔ اقبال سے صدیوں پہلے یہ وحدت الوجود کا فکر موجود تھا۔ انھوں نے اپنے بزرگوں اور مُرشد سے طریقت و شریعت کو سیکھا اور قبول بھی کیا اور ایک باعمل صوفی کی طرح اپنے پیغام و کلام کو عوام کے لیے نہ صرف عام کیا بلکہ اُن کے کلام کو لوگوں نے پسند بھی کیا اور قابلِ عمل بھی گردانا۔

اقبال نے اپنی شاعری میں کلامِ الٰہی کا استعمال کر کے اپنے کلام کو رونق بخشی ہے۔ اقبال کے بہت سے اشعار میں قرآنِ مجید کی آیات ظاہری طور پر موجود نہیں مگر ان کا مفہوم موجود ہے۔ یعنی اقبال کے کلام میں تاثیر معنوی قرآن کی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ہر شعوری تجربہ کسی نہ کسی طرح مقصد کے تحت ہوتا ہے اور مقصد کا تصور مستقبل سے مشروط ہے۔ اقبال کے نزدیک مستقبل غیر متعین نہیں بل کہ امکانات کی صورت میں موجود ہے۔ جیسے جیسے زندگی ارتقائی سفر طے کرتی ہے انسان کا مقصد / مقاصد میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ زندگی کا تسلسل شعوری نظم و ضبط کے تابع ہے۔ کائنات میں ہر لحہ تبدیلی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

فکرِ اقبال کے مآخذ و منابع لافانی ہیں۔ اگرچہ وہ قرآن و حدیث کے لافانی سرچشموں سے فیض یاب ہوتے ہیں تاہم فکری اجتہاد سے ہر دور کے مسائل و تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حالات کو نئی تشکیل و تنظیم، تہذیب و ترتیب کے سانچوں میں ڈھالتے ہیں۔ اقبال کھوئے ہوؤں کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

جستجو بھی کرتے ہیں اور چشمِ بصیرت سے مستقبل کے چراغ بھی روشن کرتے ہیں۔ان کے کلام کی مثال ایک ایسے شفاف آئینے کی سی ہے جس میں ہر ہر دور میں حرکت وولولہ پیدا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کلامِ اقبال میں ہر دور کے تقاضوں کا پرتو ملتا ہے۔ان کے افکار زمان ومکاں کی حدود سے ماورا، ملت کی حدود سے وسیع تر ہیں۔

کلامِ اقبال کی بدولت اردو زبان کو وہ وقعت حاصل ہوئی کہ اس کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ اقبال اردو زبان کے ایسے بڑے اور منفرد شاعر ہیں جن کے ہاں شعر اور فکر گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں۔وہ انسان کی عظمت کے گُن گاتے ہیں۔اس لیے انسان کو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتے دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔انھوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنے فکر کی اساس اس لیے بنایا کہ وہ انسان کو اس کے حقیقی مقام اور مرتبے کا احساس دلانے کے تمنائی تھے۔اقبال نے مشرق کے سوئے ہوئے ذہن بیدار کرنے کے لیے اپنے فکر کی جولانیوں اور خیالات کی بلندی سے پیامبری کے فرائض سرانجام دیے۔اقبال ایک پیغامبر کی حیثیت کے حامل بھی ہیں، ان کا مقصد انسانیت کی فلاح اور اصلاح ہے۔ان کی شاعری صرف شاعری نہیں بلکہ ان کا لکھا ہوا ایک ایک جملہ، ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ یکساں اہمیت کا حامل ہے۔اقبال کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے ملتِ اسلامیہ کو اعلیٰ اقدار سے روشناس کروانے کی کوشش کی۔بلاشبہ ان کی قدروں کا بنیادی ماخذ قرآن پاک اور تعلیماتِ محمدیہ ﷺ ہیں۔اقبال وہ واحد شاعر ہیں جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔

اقبال تلمیحاتِ قرآنی کا تذکرہ ایسے مدلل اور موٴثر انداز میں کرتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ان تلمیحات کو مسلمانوں کی قوّتِ عمل کو مہمیز کرنے کے لیے مستعار لے رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اقبال کی پیش کردہ ان تلمیحات کا درجہ محض شعری صنعت کا نہیں بلکہ کلامِ اقبال میں بے شمار معنوی پرتوں کو نہایت فن کاری سے اُجاگر کرتی ہیں۔اقبال نے قرآنی اشخاص و وقائع پر مشتمل تلمیحات کے سلسلے میں مذکورہ اشخاص کے متنوع اوصافِ مبارکہ کی مدد سے گہری بصیرت کا اظہار کیا ہے۔اقبال نے حضرت آدم کی معافی، حضرت نوح کی تبلیغِ دین، حضرت ابراہیم کے ایمان، حضرت اسمٰعیل کے صبر، حضرت یوسف کے حُسن وسیرت، حضرت سلیمان کی منکسر المزاجی، حضرت موسیٰ کی اولوالعزمی، حضرت خضر کی علمی شان، حضرت عیسیٰ کی مسیحا نفسی، حضرت جبرائیل کی ارفعیت، نبی پاک ﷺ کی کاملیت کے سبب معراج کے مرتبے تک پہنچنے جیسے متبرک پہلوؤں کو ارفع انداز میں بیان کیا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہر مقام پر صرف بیانِ قصص پر اکتفا نہیں کِیا گیا بلکہ یہ تلمیحات پیغامبری کا فریضہ ادا کرتی بھی محسوس ہوتی ہیں۔

اقبال نے جن اُمور کی جانب بنی نوعِ انسان کی توجہ مبذول کروائی جلد یا بدیر ان اُمور کی جانب متوجہ ہونے میں ہی فلاح ہے۔محولہ بالا مثالوں کے علاوہ بھی کلامِ اقبال میں بہت سی جگہوں پر قرآنی تلمیحات کو موضوع بنایا گیا ہے۔اقبال کے اشعار صرف اشعار ہی نہیں بلکہ حکمت و عرفان سے بھی بھرپور ہیں۔اقبال کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کا کلام قرآنی مطالب کا گنجینہ بن جائے تاکہ مسلمانوں کے قلب وجاں میں حرارتِ عمل پیدا کرسکے۔یہی وجہ ہے کہ کلامِ اقبال افکار کی سطح پر قرآنی اثرات سے بھرا ہوا ہے۔اقبال نے حیات وسیرتِ انبیا کرام پر مبنی تلمیحات کو بڑی جاذبیت کے ساتھ اپنے کلام کا حصہ بنا کر مسلمان نوجوانوں کو ان کے دُرست مقام سے آشنا کیا ہے۔اقبال نے محولہ بالا تمام تلمیحات کو نت نئے زاویوں سے پیش کرکے اپنے ارفع خیالات کی عکاسی کی ہے۔یہی امر انھیں اپنے معاصرین سے منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

اقبال ایک عارفِ کامل کی حیثیت سے قرآن وحدیث سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ آپ نے قرآنی مضامین کو اپنے اشعار میں مختلف صورتوں میں بیان کِیا ہے۔ محولہ بالا مثالوں کے علاوہ بھی کلامِ اقبال میں متعدد مقامات پر قرآن پاک کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔اقبال کے اشعار صرف اشعار نہیں حکمت وعرفان سے بھرپور عاشقانہ وعارفانہ کلام ہے جس کی تکیہ گاہ، معرفتِ نفس اور تزکیہ وتربیت نفس پر ہے۔اقبال کا شمار ان دُوراندیش افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے سیاست، تدبر، دینی تفکر، روشن بینی کے ساتھ ساتھ عرفان و معرفت کے حوالے سے قرآن پاک کو تسکینِ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

جان کا ذریعہ بنایا اور یہی امر انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ اقبال کی تلمیحات خالصتاً اسلامی اور قرآنی تعلیمات پر مبنی ہیں جو قارئینِ ادب کے لیے علم و حکمت کے در وا کرتی ہیں۔

آج کا دور مسائل کے اعتبار سے اقبال کے دور سے زیادہ مختلف نہیں ہے بلکہ آج کے مسائل زیادہ پیچیدہ، متنوع، دقیق و عمیق اور ہمہ گیر ہیں۔ ان حالات میں ضرورت ہے اقبال کے افکار سے استفادہ کرنے کی۔ ان کی تحریروں سے خود کو آگاہ و آشنا کرنے کی۔ ان کے فکر کی ضیا سے اپنے ذہن و دل کو روشن کرنے کی۔ اقبال کے فکر کو روشنی قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ اقبال کا کلام قرآن و حدیث کا ترجمان ہے۔ کلامِ اقبال کی دُرست تفہیم اسی وقت ممکن ہے جب قرآن پاک نظروں کے سامنے ہو۔ کلام اقبال کا قاری جب اس زاویۂ نگاہ سے کلامِ اقبال کا مطالعہ کرے گا تو محسوس کرے گا کہ قرآن پاک انسان کو کن بلندیوں پر پہنچاتا ہے، وہاں دوسری جانب اس پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گی کہ علامہ اقبال قرآن کے بڑے اہم حقائق کو اور بنی نوعِ انسان کے ادق مسائل کو کتنی خوب صورتی اور سلاست کے ساتھ اشعار میں حل کر دیتے ہیں۔ فکری، تہذیبی، معاشرتی اور نظریاتی سطح پر فکرِ اقبال کو سمجھنے اور اسے فروغ دینے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے چوں کہ عالمِ اسلام کی بقا، آزادی اور استحکام اسلام کے اعلیٰ اصولوں کو زندہ رکھنے اور ان پر ثابت قدم رہنے میں ہی مضمر ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں جن شخصیات نے اردو ادب کو فکری، نظریاتی اور فلسفیانہ فکر سے روشناس کیا ان میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ اقبال کی انقلابی، نظریاتی اور منفرد سوچ نے نہ صرف اردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ ہماری مجموعی فکر پر بھی گہرے نقوش ثبت کیے۔

References

1. طالب حسین سیال، اقبال اور انسان درویش، لاہور: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس: ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۲
2. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، لاہور، بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۵
3. نذیر نیازی سیّد، (مترجم)، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، لاہور، بزمِ اقبال، طبع سوم، ۱۹۸۶ء، ص ۲۷۹
4. مکتوب بنام اکبر الہ آبادی، مشمولہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، مرتبہ: مظفر حسین برنی، لاہور: تربیت پبلشرز، س ن، ص ۳۲۰
5. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، ایضاً، ص ۱۲۵
6. ابو محمد مصلح، قرآن اور اقبال، لاہور: سنگ میل پبلشرز لاہور، س ن، ص ۱۷
7. فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ص ۲۶۶
8. محمود رضوی، اقبال اور عقلیت پسندی، قومی پریس، ریٹی گن روڈ، لاہور، س ن، ص ۲۴
9. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۸، ایضاً، ص ۲۱۶
10. ایضاً، ص ۳۵۳
11. ایضاً، ص ۲۴۰
12. سورۃ الاعراف، آیت ۱۴۳
13. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایضاً، ص ۱۸
14. ایضاً، ص ۲۴۰
15. ایضاً، ص ۱۱۴
16. سورۃ نوح، آیت ۲۶
17. ایضاً، ۲۵۳

18. سورۃ سبا، آیت ۲۸
19. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایضاً، ص ۲۲۶
20. سورۃ النحل، آیت ۹۱
21. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایضاً، ص ۱۹۹
22. سورۃ الم نشرح، آیت ۰۴
23. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایضاً، ص ۳۵۴
24. ایضاً، ص ۹۳
25. سورۃ سبا، آیت ۲۸
26. سورۃ النساء، آیت ۸۰
27. علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ایضاً، ص ۳۵۵
28. ایضاً، ص ۵۳
29. ایضاً، ص
30. ایضاً، ص